نیکی اور اس کے طبعی نتائج

(فرمودہ ۱۸- جون ۱۹۳۷ء)

۱۸- جون ۱۹۳۷ء حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بعد نماز عصر دو نکاحوں کا اعلان فرمایا[۱]

خطبہ مسنونہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :-

دنیا میں دو قسم کے خیالات نیکی کے متعلق رائج ہیں- ایک خیال یہ ہے کہ نیکی نیکی کی خاطر کرنی چاہئے اور اس قسم کی نیکی میں بدلہ کا سوال ہرگز دل میں نہ آنا چاہئے ورنہ وہ نیکی برباد ہو جاتی ہے- دوسرا بعض لوگوں کا خیال ہے کہ نیکی کے بدلے میں جزاء کا پیش کرنا یا جزاء کی امید رکھنا یا جزاء کی امید دلوانا کوئی بُری بات نہیں بلکہ جائز اور درست ہے- یہ دونوں خیالات نیکی کے متعلق اس زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ زیر بحث آتے ہیں- یورپ کے فلسفی ہمیشہ یہ سوال کرتے ہیں کہ نیکی کے بدلہ میں جزاء کا پیش کرنا یا جزاء کی امید رکھنا یا امید دلانا انسان میں لالچ پیدا کرتا ہے اور اسے حریص بناتا ہے- یعنی جو شخص جزاء کو سامنے رکھ کر نیکی کرتا ہے وہ لالچی اور حریص ہے اور جو شخص کسی نیکی کے بدلے میں امید دلاتا ہے وہ گویا اس آدمی میں حرص اور لالچ پیدا کرنے والا ہے- اسی فلسفیانہ خیال کو لے کر عیسائی پادری اسلام پر حملہ آور ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اسلام کی بیان کی ہوئی نیکی کی تعریف انسان میں لالچ پیدا کرتی ہے اور جو اصول اسلام نے نیکی کے متعلق پیش کئے ہیں وہ انسان میں حرص پیدا کرتے ہیں یا ایسے امور کی طرف انسان کو لاتے ہیں جو حرص پیدا ہونے کا باعث ہوتے ہیں-

بالعموم دیکھا جاتا ہے کہ مسلمان نوجوان اس خیال سے متأثر ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں یہ

ہمارے مذہب کی کمزوری ہے لیکن اگر ہم غور سے دیکھیں تو یہ بالکل لغو اور باطل خیال نظر آتا ہے۔ جن لوگوں نے یہ فلسفہ پیش کیا ہے وہ نیکی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ نیکی وہ ہے جس سے زیادہ فائدہ زیادہ وجودوں کو حاصل ہو۔ فلسفی لوگ چونکہ خدا کے وجود پر اعتقاد نہیں رکھتے بلکہ ان کا زیادہ تر اعتبار طبیعات اور مادیات پر ہوتا ہے اس لئے ان کے نزدیک جو نیکی کی تعریف ہے وہ بہت ادنیٰ ہے۔ انگریزی میں نیکی کو GOOD کہتے ہیں اور GOOD کی تعریف وہ یہ کرتے ہیں جس کام کے کرنے کا زیادہ فائدہ ہو اور وہ فائدہ زیادہ وجودوں کو پہنچے۔ اب ایک طرف اس تعریف کو دیکھا جائے اور دوسری طرف اس خیال کو جو یورپین فلسفی نیکی کے متعلق پیش کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ خیال کس قدر احمقانہ اور جاہلانہ ہے۔ تعریف وہ یہ کرتے ہیں کہ نیکی وہ ہے جس کا زیادہ فائدہ ہو اور زیادہ وجودوں کو فائدہ پہنچے مگر فلسفہ یہ بیان کرتے ہیں کہ نیکی اگر کسی بدلہ کی امید پر کی جائے تو وہ نیکی نہیں رہتی یہ دونوں باتیں کس قدر ایک دوسری کے خلاف ہیں۔ اس خیال کے ماتحت جب انسان نیکی کرنے کا فیصلہ کرے گا تو لازماً اس کے ساتھ جزاء کا سوال آجائے گا۔ یہ فلسفہ بعینہٖ ایسا ہی ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں رُتال لوگوں کو وظیفہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں اس کے ذریعہ جو چاہو گے ہو جائے گا مگر ساتھ ہی اس امر کا خیال رکھنا کہ دوران وظیفہ میں بندر کا خیال نہ آجائے۔ جب وہ جاکر وظیفہ کرتا ہے تو لازماً اسے بندر کا خیال آجاتا ہے اور وہ سمجھتا ہے چونکہ بندر کا خیال آگیا تھا اس لئے وظیفہ کا اثر نہیں ہوا۔ پھر وہ وظیفہ کرتا ہے اور پھر بندر کا خیال آجاتا ہے اور وہ اسی چکر میں پڑا رہتا ہے اور کبھی اس کی آرزو پوری نہیں ہوتی۔ یہی حال یورپین فلاسفروں کا ہے کہ ایک طرف تو وہ نیکی کی یہ تعریف کرتے ہیں کہ نیکی وہ ہے جس سے زیادہ فائدہ زیادہ سے زیادہ وجودوں کو پہنچے مگر دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ جزاء سامنے رکھ کر نیکی کرنے سے نیکی قائم نہیں رہ سکتی۔ گویا جس چیز سے انسان کو روکا جاتا ہے لازماً کرتے وقت اس کو اس کا خیال آجائے گا۔ اور اس طرح اس کی نیکی نیکی نہ رہے گی بلکہ اس اصل کے ماتحت کبھی بھی کوئی فعل نیکی نہیں کہلا سکتا کیونکہ نیکی کرتے وقت طبعی طور پر کسی نہ کسی رنگ میں بدلہ کا خیال آجاتا ہے اور اس خیال کا نہ آنا ناممکن ہے۔ اگر نیکی کی یہی تعریف تسلیم کی جائے جو یورپین فلسفی کرتے ہیں تو کوئی شخص بھی نیکی نہیں کر سکتا اس لئے اس فلسفہ سے بدتر احمقانہ فلسفہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسلام نے جو نیکی کا حقیقی فلسفہ بیان کیا ہے اس کے متعلق یورپین فلسفیوں کا یہ کہنا کہ وہ لالچ اور حرص پیدا کرتا ہے بالکل احمقانہ

خیال ہے اسلام نے نیکی کے مدارج بیان کئے ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں آتا ہے۔ **یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۔** ؎۲ یعنی مؤمن کھانا کھلاتا ہے۔ مسکینوں، یتیموں اور اسیروں کو ایسی حالت میں جب خود اس کھانے کی حاجت ہوتی ہے۔ یعنی باوجود احتیاج کے وہ یتیموں اور اسیروں کو کھانا کھلاتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں جس سے نیکی کی جاتی ہے اس سے بدلہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ غریبوں اور مسکینوں کو جب مؤمن کھانا کھلاتا ہے تو اس وقت اس کا یہ جذبہ دوسرے تمام جذبات پر حاوی ہو جاتا ہے کہ وہ ان سے سلوک کرے۔ ہم روزانہ دیکھتے ہیں کہ بسا اوقات انسان پر ایسی حالت آجاتی ہے کہ اس کو سب کچھ بھول جاتا ہے اور صرف ایک امر کی طرف ہی اس کا خیال لگ جاتا ہے۔ مثلاً ایک بچہ پانی میں ڈوب رہا ہو تو اس کے ماں باپ سب کچھ بھول جائیں گے حتیٰ کہ وہ یہ بھی بھول جائیں گے کہ انہیں تیرنا آتا ہے یا نہیں اور پانی میں کود پڑیں گے۔ اس وقت ان میں صرف یہی جذبہ ہوتا ہے کہ ہمارا بچہ بچ جائے۔ بعض اوقات ایسا ہوا کہ بچہ پانی میں ڈوب رہا ہے والدین اپنے جذبہ کے ماتحت پانی میں کود پڑے اور خود ڈوب گئے اور بچہ کو دوسرے لوگ زندہ نکال لائے۔ پس یہ مقام جب بھی آجائے اس وقت انسان بے اختیار ہوتا ہے اور مجبور ہوتا ہے کہ وہ فعل کر گزرے اور بے اختیاری کی حالت میں اس سے وہ فعل صادر ہوتا ہے۔ جب بچہ ڈوب رہا ہو اس وقت ماں باپ کو ہرگز یہ خیال نہیں آتا کہ ہمیں تیرنا نہیں آتا اگر انہیں اس بات کا خیال ہو کہ ہمیں تیرنا نہیں آتا تو وہ کبھی نہ کودیں وہ سمجھتے بچہ تو ڈوب رہا ہے ہم تیرنا نہیں جانتے اگر ہم کودے تو ہمارا بھی یہی انجام ہوگا۔ پس یہ حالت بے اختیاری کی ہوتی ہے۔ اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ایک دفعہ رسول کریم ﷺ نے ایک صحابی کے سپرد ایک مہمان کیا اور فرمایا اس کو گھر لے جاؤ اور اس کی خاطر کرو وہ صحابی اس مہمان کو گھر لے گیا (اس وقت ابھی فتوحات نہیں ہوئی تھیں اور مسلمان بہت غربت کی حالت میں تھے۔) اس صحابی نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں آج ایک مہمان لایا ہوں اس کی خاطر کرو۔ بیوی نے کہا گھر میں آج صرف ایک آدمی کا کھانا ہے۔ میں نے یہ سوچا تھا کہ ہم دونوں نہ کھائیں گے اور یہ کھانا اپنے بچوں کو کھلا دیں گے۔ یہ سن کر اس صحابی کو بہت صدمہ ہوا کیونکہ اس وقت صرف یہ جذبہ غالب تھا کہ مہمان بھوکا نہ رہے باقی سب جذبات بھول گیا۔ بیوی نے جب یہ حالت دیکھی تو اس نے کہا میں بچوں کو یونہی بہلا دوں گی اور وہ کھانا مہمان کو کھلا دیں گے۔ صحابی نے کہا جب مہمان کھانا کھانے لگے گا اور بچوں کو دیکھے گا تو

ان کو بلا لے گا اور اس طرح ہمارا پردہ فاش ہو جائے گا۔ اس پر بیوی نے کہا میں بچوں کو سُلا دوں گی۔ پھر صحابی نے کہا کہ اب ایک اور مشکل درپیش ہے اور وہ یہ کہ جب وہ کھانا کھائے گا تو ہم دونوں کو بھی کھانے کے لئے کہے گا (اس وقت ابھی پردہ کا حکم نازل نہیں ہوا تھا) بیوی نے کہا میں نے اس کے لئے بھی تجویز سوچ لی ہے میں دیئے کی بتی چھوٹی رکھوں گی جب کھانا مہمان کے سامنے رکھ دیں گے اور وہ ہمیں کھانے پر بلائے گا تو آپ مجھے اس وقت کہیں کہ بتی اوپر کردو اس وقت میں بجائے اوپر کرنے کے اور نیچی کردوں گی اور اس طرح دیا بجھ جائے گا۔ اور ہم کہہ دیں گے کہ اب رات کا وقت ہے آگ ملنی مشکل ہے براہ مہربانی اندھیرے میں ہی کھانا کھالیں۔ پھر جب مہمان کھانا شروع کردے گا تو ہم صرف منہ مارتے جائیں گے اور کھانا نہیں کھائیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اسی طرح کیا بچوں کو بہلا کر سُلا دیا، خود یونہی منہ ہلاتے رہے اور مہمان نے پیٹ بھر کر کھانا کھالیا۔ دوسرے روز صبح وہ صحابی رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو رسول کریم ﷺ اسے دیکھ کر ہنس پڑے اور فرمایا تمہاری رات والی حرکت پر خدا تعالیٰ بھی عرش پر ہنسا تو میں کیوں نہ ہنسوں۔ پھر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ رات مجھے اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی تمہارا سب حال بتا دیا تھا۔ [۳] (یہاں خدا تعالیٰ کے ہنسنے سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا منہ ہے اور وہ ہنستا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اس صحابی کے اس فعل کی وجہ سے جو اس نے رات کیا۔ اس سے خاص محبت ہوگئی۔ اور اس کیفیت کے اظہار کے لئے رسول کریم ﷺ نے ہنسنے کا لفظ استعمال فرمایا۔)

دوسری مثال اس کی یہ ہے کہ جنگ احد میں رسول کریم ﷺ نے بعض صحابہ کو میدان جنگ میں بھیجا کہ وہ زخمیوں کو دیکھیں اور جو زخمی قابل امداد ہوں ان کو مدد دیں۔ ایک صحابی زخمیوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے کہ انہوں نے ایک انصاری کو دیکھا جو بہت زخمی تھے۔ اور ان کی آخری حالت تھی۔ صحابی نے کہا تمہارے بچنے کی کوئی امید نہیں اگر کسی کو کوئی پیغام دینا ہو تو دے دیں میں پہنچا دوں گا۔ انصاری نے کہا تم مجھ سے عہد کرو کہ واقعی میرا پیغام پہنچا دو گے۔ صحابی نے وعدہ کیا اور انہوں نے یہ پیغام دیا کہ میرے رشتہ داروں اور عزیزوں کو میرا یہ پیغام پہنچا دیں کہ رسول کریم ﷺ ہم میں اللہ تعالیٰ کی امانت ہیں جب تک ہم زندہ رہے ہم اپنی جانیں قربان کر کے محمد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کرتے رہے اب ہم جاتے ہیں اور اس امانت کو تمہارے سپرد کرتے ہیں اس کے لئے سب کچھ قربان کر دینا تمہارا فرض ہے۔ [۴]

یہ ایسی حالت تھی کہ جب کہ اکثر لوگوں کو اپنے مال کی فکر ہوتی ہے اپنی بیوی بچوں کی فکر ہوتی ہے مگر وہ انصاری اس وقت بھول گئے اپنی بیوی کے بیوہ ہونے کو، وہ بھول گئے اس وقت اپنے بچوں کے یتیم ہونے کو اور بھول گئے اپنے روپیہ اور مال کی نگہداشت کو، اس وقت صرف محمد رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کا خیال ان کو تھا اور یہ جذبہ ان کے تمام جذبات پر غالب تھا۔

دوسری چیز یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ مِسْکِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا۔ میں یہ ہے کہ انسان بعض اوقات اطعام طعام محبت کی وجہ سے کرتا ہے اور بعض وقت عادت کے طور پر پہلی صورت میں یہ فعل اس کا وقتی جذبہ کے ماتحت ہوتا ہے اور دوسری صورت میں بطور عادت ہوتا ہے یعنی بار بار ایک نیکی کرتا ہے یہاں تک کہ اس کو عادت ہو جاتی ہے اور عادتوں کا انسان پر بہت بڑا تصرف ہوتا ہے۔ ایک ہندو کا واقعہ ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا ایک دفعہ مجلس میں بیٹھا تھا کہ کوئی ایسی بات ہوئی جس پر اہل مجلس نے اللہ اللہ کہنا شروع کر دیا مگر وہ رام رام کہنے لگ گیا۔ اس کے ساتھیوں نے اس سے دریافت کیا کہ تم تو مسلمان ہو گئے پھر رام رام کیوں کہتے ہو۔ اس نے جواب دیا اللہ اللہ داخل ہوتے ہوتے ہی داخل ہو گا اور رام رام نکلتے ہی نکلے گا۔ تو انسان عادت کے طور پر بھی کام کرنے لگ جاتا ہے اگر اس عادت کے پورا کرنے میں نیک ارادہ ہو تو وہ ثواب کا مستحق ہو گا اور اگر بد ارادہ ہو تو وہ عذاب کا مستحق ہو گا۔ یہ کیفیت چونکہ محنت اور کوشش سے پیدا کی جاتی ہے اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کو اس کی محنت کا بدلہ نہ ملے۔ وہ جب بھی عادت کے طور پر نیکی کرے گا اس پر جزاء مرتب ہو گی جب اس کا ارادہ نیک ہو گا اس کو ثواب ملے گا اور جب اس کا بد ارادہ ہو گا تو عذاب ہو گا۔ عادت انسان کو ثواب سے محروم نہیں کرتی۔ مثلاً ایک شخص نماز اس ارادہ سے پڑھتا ہے کہ اس کے ذریعہ سے روحانی ترقیات حاصل ہوتی ہیں اور نماز بدیوں سے محفوظ رکھتی ہے۔ اس کو نماز پڑھنے کا جس کا وہ عادی ہو چکا ہے ثواب ملتا رہے گا اور کسی ایک نماز کے ثواب سے بھی وہ محروم نہیں ہو گا۔ مگر اس کے برخلاف ایک شخص اس ارادہ کو لے کر نماز پڑھتا ہے کہ اسے محلّہ کے لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ تو یہ نماز اس کے لئے بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہو گی اور اسے عذاب کا مستحق قرار دے گی۔

غرض جس کام کے ساتھ نیک ارادہ ہو اس کی جزاء اچھی ہوتی ہے اور جس کام کے ساتھ

ارادہ بد ہو اس کی جزاء اچھی نہیں ہوتی۔ مگر ایسا انسان جس کو بدی کی خبر ہی نہیں بلکہ جو کچھ وہ کرتا ہے ماں باپ کو دیکھ کر کرتا ہے اور اس کی اس کو عادت ہو گئی ہے وہ سزا کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ مثلاً ایک ہندو اور ایک عیسائی کو جو شراب پینے کے نسلاً بعد نسل عادی ہیں عذاب نہیں دیا جائے گا ہاں توحید کے نہ ماننے کی وجہ سے وہ عذاب کے مستحق ہوں گے۔ مگر ایک مسلمان کو جو شراب پیتا ہے ضرور سزا ملے گی کیونکہ اسلام میں اللہ تعالیٰ نے شراب حرام قرار دی ہے۔ یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّهٖ مِسْكِیْنًا وَّ یَتِیْمًا وَّ اَسِیْرًا میں ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی جاتی ہے بعض مؤمنین خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق میں اس قدر محو اور رنگین ہو جاتے ہیں کہ ان صفات کا ان سے ظہور ہونے لگتا ہے جو خدا تعالیٰ میں ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے پاس ایک شخص نے ایک آدمی کے متعلق شکوہ کیا کہ وہ داڑھی نہیں رکھتا۔ آپ نے فرمایا ہم تو لوگوں کے قلوب کی اصلاح کرنے کے لئے آئے ہیں جب ان کو ہم سے محبت کامل ہو جائے گی تو پھر وہی کریں گے جو ہم کرتے ہیں اور ہماری طرح ڈاڑھی رکھ لیں گے۔ بعض دفعہ عارضی محبت بھی انسان میں نمایاں تغیر پیدا کر دیتی ہے۔ ایک مجسٹریٹ صاحب احمدی ہوئے تو مجھے کہنے لگے مجھے آپ کے کوٹ کا ناپ چاہئے آئندہ میں آپ کے کوٹ جیسا کوٹ پہنا کروں گا۔ ان کو عارضی محبت تھی کیونکہ بعد میں وہ احمدیت سے پھر گئے۔ لیکن مستقل محبت تو انقلاب عظیم پیدا کر دیتی ہے۔ مؤمنین خدا تعالیٰ کی صفات ستار، باسط، رحمان، رحیم، مہیمن، واسع وغیرہ اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں اور عشق میں نہایت بلند مقام پر پہنچ جاتے ہیں۔

غرض نیکی کا انتہائی مقام جو یورپین فلسفی بیان کرتے ہیں وہ اسلام کا ابتدائی درجہ ہے۔ اسلام نے نیکی کے طبعی نتائج بھی بیان کئے ہیں۔ مثلاً نماز ہے اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ۔ ۵؎ کہ نماز فحشاء اور منکر سے روکتی ہے۔ پس فحشاء اور منکر سے روکنا نماز کا طبعی نتیجہ ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا طبعی نتیجہ فوز عظیم بیان کیا گیا ہے جیسا کہ ان آیات میں ہے جو اس موقع پر پڑھی جاتی ہے اور جن میں تقویٰ پر زور دیا گیا ہے ایک آیت یہ ہے۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا۔ ۶؎ یعنی جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا اور ان کے احکام کے مطابق اپنے عمل بنائے گا اسے فوز عظیم کا مقام حاصل ہو گا۔ اس میں مؤمن کو اعلیٰ مقام کی طرف کھینچ کر لانا مقصود ہے اور جب ایک شخص کو رسول کریم ﷺ کی اطاعت اور پیروی میں فوز عظیم

کا مقام حاصل ہو سکتا ہے تو رسول کا مقام تو یقیناً اس سے بلند تر ہو جائے گا اور یہ وہ مقام ہے جہاں انسان کامل بن جاتا ہے اس لئے وہ فوز عظیم کا محتاج نہیں رہتا بلکہ وہ اتنا بلند مقام ہے کہ دوسروں کو فوز عظیم کے مقام پر پہنچاتا ہے۔

(الفضل ۲۴- جون ۱۹۳۷ء صفحہ ۴ تا ۶)

۱؎ فریقین کا تعین نہیں ہو سکا۔
۲؎ الدھر: ۹
۳؎ بخاری کتاب المناقب باب یُؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة
۴؎ الاستیعاب فی معرفة الاصحاب۔ باب حرف السین۔ جلد ۲ صفحہ ۱۵۶ مطبوعہ بیروت ۱۹۹۵ء
۵؎ العنکبوت: ۴۶
۶؎ الاحزاب: ۷۲